بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نظرات

آہ حبر امت!

الی اللہ اشکو لا الی الناس اننی ادی الارض تبقی والاخلاء تذھب

دادرینا! جو خامۂ گوہر فشاں چالیس برس تک اسلامی علوم وفنون کے انمول موتی صفحۂ قرطاس پر بکھیرتا اور رلٹاتا رہا۔ گذشتہ ماہ جون کی ایک صبح کو یک بیک خاموش ہوگیا۔ وہ مسیحا نفس جو اپنے انفاس قدسیہ سے اسلامی احساس وفکر کے تن بے جان کی عروق مردہ میں زندگی کا نیا اور تازہ خون دوڑاتا رہا۔ دینِ قیّم کا وہ یک نجستہ گوہر جو اپنے لب اعجاز نما سے قال اللہ اور قال الرسول کا پیام حق التیام ایک عرصہ تک جھوم جھوم کے سناتا رہا۔ علم وفضل۔ عمل وکردار اور اخلاق وشمائل کا وہ پیکر حسین جو اس عہد میں اسلام کی چہاردہ صد سالہ تاریخ کی آبرو تھا اور جس کا نفس نفس گلبن دین محمدی کی عطر آفرینیوں کا امین وراز داں تھا۔ اچانک خاک لحد کی امانت بن گیا۔ ملت بیضا کی ایک متاعِ گراں مایہ لٹ گئی۔ بزم انس وقدس کا چراغ فروزاں بجھ گیا یعنی حبر امت مولانا سید مناظر احسن گیلانی نے اس عالم آب وگل کو خیرآباد کہکر عالم آخرت کی راہ لی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون!!

مولانا ضلع مونگیر (بہار) کے ایک گاؤں گیلانی کے خاندان سادات کے چشم وچراغ تھے منطق اور فلسفہ کی تکمیل مولانا ابوالبرکات ٹونکی سے کرنے کے بعد دارالعلوم دیوبند پہنچے اور شیخ الہند مولانا محمود الحسن رحمۃ اللہ علیہ سے درس حدیث لیا۔ اپنی ذہانت وذکاوت۔ استعداد علمی اور صلاح ونکوکاری کے باعث دارالعلوم کے عمائد میں اتنا رسوخ پیدا کر لیا تھا کہ فراغت کے بعد وہیں معین المدرسین ہوگئے۔ اس زمانہ میں دارالعلوم کا ماہنامہ القاسم بڑی آب وتاب سے نکلتا تھا اُس کی ادارت کی خدمت بھی آپ کے سپرد ہوگئی۔ اس دور میں آپ نے جو مضامین لکھے وہ خود بتارہے تھے کہ یہ ستارہ ایک دن آفتاب بننے والا ہے۔ یہاں ماہوار مشاہرہ بطور

وظیفہ تیس روپے ملتا تھا۔ بہت چاہا کہ کسی طرح پچاس روپے ہو جائے تو پوری زندگی ہی مدرسہ کی خدمت کے لئے وقف کر دیں۔ لیکن قدرت کو تو بہت بڑا اور اہم کام لینا منظور تھا۔ دارالعلوم میں مستقل قیام کی صورت پیدا نہ ہو سکی اسی زمانہ میں مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی جو حیدرآباد میں صدر الصدور امور مذہبی تھے اور جن کا وہاں طوطی بول رہا تھا ان کی نگہ مردم شناس نے اس جوہر قابل کو تاکا اور حیدرآباد میں جامعہ عثمانیہ کا قیام عمل میں آیا تو مولانا جامعہ کے شعبہ دینیات کے صدر مقرر کر دیئے گئے۔

قیام حیدرآباد کا یہ عہد ہی مولانا کی زندگی کا وہ دور زرین تھا جب کہ علم و فضل کے آسمان کا یہ ماہ یکشبہ بدر کامل بنا اور اس کی ضیا باریوں سے علم و تحقیق کا گوشہ گوشہ جگمگا اٹھا۔ یوں تو مولانا کیا نہیں تھے؟ ایک نامور محقق و مبصر اسلامیات۔ بلند پایہ مصنف۔ شعلہ بیان خطیب۔ صاحب وجد و حال صوفی سب ہی کچھ تھے لیکن حقیقت یہ ہے کہ اُن کا سب سے بڑا کارنامہ جس میں کوئی اور شخص اُن کا حریف نہیں ہو سکتا۔ یہ ہے کہ انھوں نے اپنے فیضان تعلیم و تربیت سے انگریزی تعلیم یافتہ طبقہ میں ایک دو نہیں کثرت سے ایسے افراد پیدا کر دیئے جو مغربی علوم و فنون کی اعلیٰ اسناد رکھنے کے باوجود آج اسلامی علوم و فنون کی بڑی قابل قدر خدمات انجام دے رہے ہیں اور جن کی اسلامی تحقیقات کی گونج یورپ اور امریکہ تک کے علمی حلقوں میں ہے۔ جو کام خالص علما کے کرنے کا تھا وہ یہ حضرات کر رہے ہیں اور اس خوبی اور عمدگی کے ساتھ کہ خود علماء کے طبقہ میں اس کی مثالیں کم ملیں گی۔ پھر ان کی زندگیاں بھی اسلامی تعلیمات کے سانچہ میں ڈھلی ہوئی ہیں۔ مولانا گیلانی یہ برگزیدہ عظیم الشان کارنامہ انجام نہیں دے سکتے تھے اگر انھوں نے اسلام کا مطالعہ علمی اور سائنٹفک طریقہ پر نہ کیا ہوتا اور اس بنا پر وہ مغربی علوم و فنون کے طلبا کو علمی طور پر اسلام سے متاثر نہ کر سکتے۔

علم و فضل۔ دقت نظر۔ وسعت معلومات اور قوت تحریر و تقریر کے علاوہ اخلاق و شمائل کے لحاظ سے وہ جس پایہ کے بزرگ تھے ان جیسے کم ہی ہوں گے۔ فقر و مسکنت۔ استغنا۔ تواضع و فروتنی۔ حسن کرم و جود و سخا۔ شفقت علی الخلق۔ کمال خودداری اور مروت۔ یہ مولانا کی فطرت و طبیعت کے جواہر خصوصی تھے۔ ابتدائی بر [illegible]

کمالات ہستیاں کہاں ہوں گی۔ خامۂ اشکبار کے ان چند قطروں سے دل کی آگ کیونکر بجھ سکتی ہے۔ اگر مولانا کی یادگار میں برہان کا کوئی خاص نمبر نہ بھی شائع ہو سکا تو ان شاء اللہ ایک مفصل مضمون عنقریب شائع کیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ مولانا کو صدیقین و شہدا کا مقام جلیل عطا فرمائے اور ان کی قبر پر رحمتوں کے بیش از بیش پھول برسائے۔ آمین،

افسوس ہے اسی مہینہ تعلیم جدید کی ایک نامور شخصیت نے بھی داغِ مفارقت دیا۔ خان بہادر مولوی بشیر الدین سرسید اور ان کے رفقا کے عہد کی یادگار تھے۔ انتہا درجہ مخلص، مسلمانوں کا درد رکھنے والے۔ پرلے درجہ کے نیشنلسٹ۔ کٹر مذہبی اور دین دار۔ ان تھک اور خاموشی کے ساتھ نہایت ٹھوس اور تعمیری کام کرنے والے۔ یہ سب اوصاف و کمالات کسی ایک شخص میں مشکل سے ہی جمع ہو سکتے ہیں۔ لیکن قدرت نے مرحوم کی ذات میں یہ سب اوصاف و کمالات بیک وقت جمع کر دیئے تھے۔ ان کا اٹاوہ ہائی سکول جو اب ڈگری کالج ہے صرف اتر پردیش کا نہیں بلکہ پورے ہندوستان کا ایک مثالی اسلامیہ ہائی سکول تھا جس نے سینکڑوں بڑے بڑے اور نامور مسلمان پیدا کئے۔ اس سکول کی سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی کہ عمدہ اور بہترین تعلیم کے ساتھ اسلامی تربیت کا بھی خاص طور پر خیال رکھا جاتا تھا اور اسکول اور بورڈنگ کے اخراجات اس درجہ کم تھے کہ تھوڑی آمدنی رکھنے والے والدین بھی اپنے بچوں کو یہاں بڑی آسانی اور سہولت کے ساتھ تعلیم دلا سکتے تھے۔ مرحوم نے عمر کافی پائی۔ سو سال سے زیادہ کی عمر میں وفات ہوئی۔ سالہا سال سے بالکل معذور ہو گئے تھے لیکن وضع میں ذرا فرق نہیں آیا۔ ان کا اخبار البشیر بھی برابر جاری رہا اور اسکول کی ترقی کے خیال سے وہ کبھی سبکدوش نہیں ہوئے۔ اللہ تعالیٰ جنت الفردوس میں ان کو جگہ عطا فرمائے اور مسلمانوں کو توفیق دے کہ وہ ان کی یادگار کو نہ صرف یہ کہ باقی رکھیں بلکہ اور اس کو ترقی دیں۔

افسوس ہے اسی مہینہ میں ہمارے ایک نہایت عزیز اور مخلص دوست سید مرتضیٰ علی صاحب نے بھی دہلی میں وفات پائی۔ مرحوم نواب صدیق حسن خاں صاحب مرحوم کے نواسی داماد تھے۔ حکومت ہند کے محکمہ دفاع میں اعلیٰ افسر تھے تقسیم کے بعد بھی یہیں رہے۔ دلی کی جامع مسجد کے قریب ان کا آبائی مکان تھا اسی میں رہتے تھے اور جامع مسجد میں نماز اس پابندی سے ادا کرتے تھے کہ وفات سے پہلے سخت مجبوری کے باوجود انھوں نے نماز باجماعت ترک نہیں کی۔ ادارہ ندوۃ المصنفین کے شروع سے محسن اور اس کے کاموں کے بڑے قدر دان تھے اسلام کی محبت اور عشق میں سرشار رہتے تھے۔ بڑے خلیق متواضع صاحبِ خیر غیور خوددار اور صد درجہ پابندِ وضع تھے۔ اللہ تعالیٰ ان کو غریقِ رحمت فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق ارزاں فرمائے۔ آمین